R. N. 2186/57 Regd. No. A 923

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

Telephone No. 29

Telegram: "ANJUMAN"

ہماری زبان

جلد ۲۱ - شمارہ ۲۱ | ایڈیٹر آل احمد سرور | علی گڑھ - یکم جون سنہ ۱۹۶۲ء

ابو محمد سحر

امیر مینائی کا ایک نادر قلمی دیوان۔ گوہر انتخاب

میں ایک عرصہ سے امیر مینائی کے نایاب مطبوعہ و غیر مطبوعہ کلام کی کاوش و جستجو میں مصروف ہوں۔ اس سے قبل نواب شاہجہاں بیگم والیۂ بھوپال کی شان میں ان کا ایک نایاب غیر مطبوعہ قصیدہ "ہماری زبان" کی نذر کر چکا ہوں۔ اس درمیان میں مجھے امیر مینائی کے ایسے کلام کا ایک خاصا بڑا سرمایہ دستیاب ہوا ہے جو یا تو زیور طبع سے کبھی آراستہ نہیں ہوا یا امیر کے دواوین میں شامل نہ ہونے کی وجہ سے پردۂ خفا میں پڑا ہوا ہے۔ امیر کے اس نوع کے کلام کا غیر مطبوعہ حصہ بعض مخطوطات کی دریافت پر مبنی ہے اور مطبوعہ حصہ خصوصاً غزلیات امیر کے آخری دیوان صنم خانۂ عشق کی اشاعت کے بعد کے نہایت کم یاب مطبوعہ ماخذ کی چھان بین سے دستیاب ہوا ہے۔ یہ سارا ذخیرہ مختلف اصناف پر مشتمل ہے اور امیر کے مطالعہ میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ لیکن حال میں مجھے امیر کے دیوان کا ایک ایسا قلمی نسخہ ملا ہے جسے اپنی اس تحقیق کے نتائج میں سرفہرست رکھنے پر مجبور ہوں۔ اس قلمی دیوان کی دریافت سے نہ صرف یہ کہ امیر کا کچھ اور غیر مطبوعہ کلام سامنے آتا ہے بلکہ اس سے ان کے دواوین کی ترتیب کے بارے میں بالکل نئے حقائق معلوم ہوتے ہیں۔

امیر کے دواوین کی ترتیب کے متعلق اب تک اہل تحقیق کو جو کچھ معلوم ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ غدر سے پہلے نواب سلطان لکھنؤ میں ان کا ایک دیوان "غیرت بہارستان" کے نام سے مرتب ہو چکا تھا جس کو انھوں نے خوش نویس سے لکھوا کر مطلّا و مذہب بھی کرایا تھا۔ لیکن یہ دیوان غدر میں تلف ہو گیا۔ اس کے بعد جب امیر مینائی رام پور پہنچے تو جدید و قدیم کلام کی ترتیب سے ۱۲۷۴ھ میں دیوان مرآۃ الغیب اور ۱۲۷۵ھ میں مجموعۂ مفردات گوہر انتخاب کی صورت بندی ہی۔ یہ دونوں الگ الگ جلدوں میں لیکن ایک ہی سال ۱۲۹۰ھ میں شائع ہوئے۔ اس سے ایک سال پہلے یعنی ۱۲۸۹ھ میں ان کا نعتیہ دیوان محامد خاتم النبیین شائع ہو چکا تھا جس کا سال ترتیب ۱۲۸۰ھ ہے۔ ۱۳۰۳ھ میں ان کا آخری دیوان صنم خانۂ عشق (مرتبہ ۱۳۰۰ھ) شائع ہوا۔ گوہر انتخاب (مجموعۂ مفردات) کو انھوں نے اس کا ضمیمہ کر دیا اور اسی میں مفردات کا ایک اور مجموعہ گوہر انتخاب کے نام سے شامل کر دیا۔ لیکن زیر بحث قلمی دیوان سے پتہ چلتا ہے کہ رام پور آنے کے بعد تازہ کلام اور غدر سے پہلے کے یاد آئے ہوئے کلام کو ملا کر ۱۲۸۵ھ میں امیر نے ایک اور دیوان مرتب کیا تھا جس کا تاریخی نام بھی انھوں نے گوہر انتخاب رکھا تھا۔

امیر کا یہ قلمی دیوان جس کے وجود سے اردو دنیا ناواقف ہے رضا لائبریری رام پور میں محفوظ ہے۔ یہ دیوان … کتاب کے سفید اور دبیز کاغذ پر نہایت خوش خط لکھا ہوا ہے۔ متن کا ناپ … ہے۔ شروع کے پانچ صفحات مطلّا و مذہب ہیں۔ چھٹے صفحہ سے معمولی سرخ خطی جدول میں لکھا گیا ہے لیکن خط اور اس کے حسن میں کوئی فرق نہیں۔ نسخہ کا آغاز ایک نہایت دیدہ زیب لوح کے تحت ہوا ہے۔ پہلے صفحہ سے دوسرے صفحہ تک امیر کی لکھی ہوئی نثر ہے جسے اس دیوان کا دیباچہ سمجھنا چاہیے۔ تیسرے صفحہ پر جدول کے وسط میں "گوہر انتخاب ۱۲۸۵ھ" درج ہے۔ چوتھے صفحہ پر ایک نہایت دیدہ زیب لوح کے تحت دیوان کا آغاز ہوا ہے۔ صفحات کے نمبر کاتب نے درج نہیں کیے ہیں۔ لیکن اوراق پر غالباً بعد کو پنسل سے نمبر ڈال دیے گئے ہیں۔ اوراق کی کل

تعداد ۱۲۰ ہے۔ آخری ورق کے پہلے صفحہ کی ابتدا میں دیوان ختم ہو گیا ہے، دوسرا صفحہ بالکل سادہ ہے۔ نسخہ کے پہلے صفحہ پر پنسل سے "نمبر ۲۵۰۶۔ رجسٹر موجودات کتب خانہ۔ ۱۰/ نومبر ۱۹۱۳ء۔ پیش کردہ بسم اللہ شاہ مراد آبادی" درج ہے۔ معلوم نہیں بسم اللہ شاہ مراد آبادی کون بزرگوار تھے اور امیر کا یہ ذاتی نسخہ ان کے ہاتھ کب اور کس طرح لگا۔ لیکن ہمیں ان کا ممنون ہونا چاہیے کہ انھوں نے اس نسخہ کو رضا لائبریری کی نذر کر دیا اور اس طرح یہ تلف ہونے سے بچ گیا۔

نسخہ کے آغاز میں امیر کی نثر حسب ذیل ہے:۔

"بعد حمد خدا و نعت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ و صحابہ مخفی نہ رہے کہ جس دن سے یہ ہیچمداں فقیر ادب گاہ سلطان جہاں گیر عرش سریر ہو خدام عالی مقام بارگاہ سلیمان جاہ کی تربیت سے فکر و سخن میں امیر ہوا۔ خسروؤں میں امتیاز پایا۔ جوہر و بڑھی سرمایۂ افتخار ہاتھ آیا۔ ایسا مورد مراحم خاقانی ہوا کہ ہر عنوان سے رہ نورد جادۂ کامرانی ہوا یہاں تک کہ سلاطین عالم ... طالع کے انتخاب موزونات جدید کو صاف کیا۔ کلام تلف شدہ زمانۂ غدر کا جو کچھ یاد آیا ان سب مفردات و متفرقات کو ہر ردیف کے ساتھ لکھ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ کہیں غزل کہیں تنہا مطلع ہے کہیں حسن مطلع ہے کہیں فرد کہیں صرف مقطع ہے۔ جب یہ مجموعہ مختصر مرتب ہو چکا باہمہ اظہار ہیچمدانی بہ پیش کش خدام عرش مقام بارگاہ آسماں جاہ خسرو ذی شوکت عدو کش خلق پناہ مرحمت گستر ولی نعمت آیۂ رحمت نواب کلب علی خاں بہادر دام اللہ ملکہ و سلطنتہ حاضر کیا۔ اب کہ نسخہ مطبوع انظار قبول شہنشاہ گردوں رکاب ہے اس لئے نام تاریخی اس کا گوہر انتخاب ہے۔ الٰہی جب تک بیت ابروئے بتاں مطلع دیوان جمال رہے ترقیات بوقلموں میرے قدر شناس میرے ولی نعمت کے ہمرکاب اقبال رہے۔ فیض ملاحظۂ والا کے اثر سے یہ تراوش طبع ہیچمداں عین الکمال سے محفوظ ہو، قبول خاطر محاسن پسند بندگان اقدس یہ تاثیر بخشے کہ جو اسے دیکھے محظوظ ہو۔ آمین یا رب العالمین۔

تحفہ ہے سخن ہر اک سخنداں کے لئے
جوہر ہے یہ ہر گدا و سلطاں کے لئے
یہ گوہر انتخاب ہے خاص امیر
سلطان جہاں کلب علی خاں کے لئے"

جیسا کہ اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے امیر کا یہ دیوان ان کے تازہ کلام کے انتخاب اور غدر سے پہلے کے یاد آئے ہوئے کلام پر مشتمل ہے۔ اس کی ترتیب نواب کلب علی خاں کے ایما سے ہوئی تھی اور انھیں کے ملاحظہ کے بعد امیر نے اس کا تاریخی نام گوہر انتخاب رکھا تھا۔ اس دیوان اور امیر کے مطبوعہ دواوین کے مقابلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دیوان کا بڑا حصہ نئے کلام کے اضافہ کے بعد ۱۲۹۰ھ تک دو حصوں میں منقسم ہو کر مراۃ الغیب اور گوہر انتخاب کے ناموں سے الگ الگ شائع ہوا۔ مراۃ الغیب میں امیر نے نئی مکمل غزلیں رکھیں اور پرانی یعنی غدر سے پہلے کی جن غزلوں کے زیادہ شعر یاد آ گئے تھے ان کو اور شعر بڑھا کر پورا کر دیا۔ غدر سے پہلے کی جن غزلوں کے صرف ایک ایک دو دو شعر یاد آئے تھے اور جو دیوان گوہر انتخاب قلمی میں ردیف وار شامل تھے ان کو اس سے الگ کر کے مجموعۂ مفردات مطبوعہ گوہر انتخاب کی شکل دے دی۔ اس کے علاوہ دیوان گوہر انتخاب قلمی کی ابتدا میں جو نعتیہ دو غزلہ تھا اس کو اپنے نعتیہ دیوان محامد خاتم النبیین میں منتقل کر دیا۔ یہی نہیں بلکہ اس دیوان کی بعض مکمل اور نامکمل غزلوں کو امیر نے مزید اشعار کا اضافہ کر کے ایک طویل عرصہ کے بعد صنم خانۂ عشق کی بھی زینت بنایا۔ کچھ غزلیں اور اشعار اس قلمی دیوان میں ایسی بھی ہیں جو کسی مطبوعہ دیوان یا مجموعہ میں شامل نہ ہو سکیں۔ ان کو شاید امیر نے ناقابل اشاعت خیال کر کے حذف کر دیا۔ بعض اشعار میں امیر نے بعد میں ترمیم و اصلاح بھی کی ہے جس کی وجہ سے مطبوعہ دواوین میں ان کی شکل اس قلمی دیوان سے مختلف ہو گئی ہے۔ اس طرح اس قلمی دیوان کے دستیاب ہونے سے امیر کے ابتدائی مطبوعہ و غیر مطبوعہ کلام کے متعلق بڑے اہم نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ ان کے ابتدائی کلام خصوصاً غدر سے پہلے کے غیر مطبوعہ کلام کا اس سے کہیں بڑا حصہ سامنے آجاتا ہے جتنا کہ اس وقت تک سامنے آچکا ہے۔ کیونکہ اس قلمی دیوان کی جو نامکمل غزلیں بعد کے مطبوعہ دواوین میں جگہ نہیں پا سکیں یا بعد کے مطبوعہ دواوین کی غزلوں کے جو دو دو چار چار اشعار اس قلمی دیوان میں موجود ہیں وہ یقیناً غدر سے پہلے کے ہیں۔ مزید برآں اس نسخہ سے امیر کے بعض مشہور اشعار کی ابتدائی شکلیں بھی معلوم ہوتی ہیں۔ مقابلے کی تفصیلی کیفیت پیش کرنے کا یہاں موقع نہیں لیکن اس مختصر تعارف کی روشنی میں امیر کے اس قلمی دیوان کی ندرت اور اہمیت کا اندازہ بآسانی لگایا جا سکتا ہے۔

پتہ دیکھئے

اگر آپ کے پتہ کے گرد سرخ نشان ہے تو یہ اس امر کی علامت ہے کہ دو اشاعتوں کے بعد آپکی میعاد خریداری ختم ہو جائیگی مہربانی فرماکر "ہماری زبان" کی سالانہ قیمت مبلغ تین روپے منی آرڈر سے بھیجئے تاکہ یہ سلسلہ جاری رہے۔

منیجر

ہماری زبان

یکم جون ۱۹۶۲ء

۱۹۶۹ء کے جشن غالب کے لئے ایک تجویز

۱۹۶۹ء میں غالب کے انتقال کو سو برس ہو جائیں گے۔ جیسا کہ ہماری زبان میں اشارہ کیا جا چکا ہے اور دہلی یونیورسٹی کے رسالہ اردوئے معلی کے شذرات میں بھی کہا جا چکا ہے ہمیں ابھی سے اس کی تیاری شروع کر دینی چاہیئے۔ سب سے پہلے اس قومی کام کی اہمیت ڈاکٹر ذاکر حسین نے دہلی یونیورسٹی کے یوم غالب کے جلسے میں واضح کی تھی۔ اب وہ ہندوستان کے نائب صدر ہیں اور دہلی میں ان کا قیام ہے۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ادارۂ تحقیقات اردو پٹنہ نے غالب کی تمام تصانیف کو صحت کے ساتھ ترتیب دینے کا کام اپنے ذمے لیا ہے اور پہلی جلد عنقریب شائع ہونے والی ہے۔ یہ بھی خوشی کی بات ہے کہ حکومت بہار نے ادارۂ تحقیقات اردو کو اس کام کے لئے ایک گراں قدر عطیہ بھی دیا ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ اردو کے تمام ادارے، وہ یونیورسٹیاں جن میں اردو کے شعبے ہیں اور اردو کے ناشرین بھی اپنے طور پر اس کام کی تیاری کریں۔ ابھی وقت ہے لیکن چونکہ کام بہت بڑا ہے اور اس کے بہت سے پہلو ہیں اس لئے پوری تیاری کے بغیر اس کا سر انجام پانا مشکل ہے۔ اس سلسلے میں ہماری تجویز یہ ہے کہ سب سے پہلے ایک مرکزی جشن غالب کمیٹی تشکیل پائے۔ اس کی صدارت کے لئے ڈاکٹر ذاکر حسین نائب صدر جمہوریہ ہند سے زیادہ موزوں کوئی نہیں۔ ان کی دعوت پر اردو کے اہم اداروں کے نمائندے، یونیورسٹیوں کے نمائندے، وزارت تہذیبی امور کے نمائندے، ساہتیہ اکاڈمی کے نمائندے اور اردو کے ممتاز ادیب اور اسکالر جمع ہوں اور یہ کمیٹی اس جشن کے لئے وسائل فراہم کرنے اور پروگرام بنانے علاوہ اس پر عمل کرنے کی ذمہ داری لے۔ یہ بہت اچھا ہے کہ ادارۂ تحقیقات اردو غالب کی ساری تصانیف صحت کے ساتھ شائع کرنے کا پروگرام بنا چکا ہے۔ اس کے علاوہ حسب ذیل کام بھی ہو سکتے ہیں:۔

۱۔ غالب کی ایک جامع سوانح عمری اردو میں
۲۔ غالب کی اردو شاعری پر تنقید 〃
۳۔ غالب کی فارسی شاعری پر تنقید 〃
۴۔ غالب کی اردو نثر پر تنقید 〃
۵۔ غالب کی فارسی نثر پر تنقید 〃
۶۔ غالب کے اردو کلام کا ایک ایسا انتخاب جس کا ترجمہ ہندوستان کی تمام زبانوں میں بھی شائع ہو۔
۷۔ غالب کی اردو نثر کا ایک ایسا انتخاب جس کا ترجمہ ہندوستان کی تمام زبانوں میں بھی شائع ہو۔
۸۔ غالب کے دور کی دہلی کی تہذیب
۹۔ غالب کے معاصرین
۱۰۔ غالب کے تلامذہ
۱۱۔ غالب کے منتخب اردو کلام کا انگریزی میں ترجمہ۔
۱۲۔ غالب کے منتخب فارسی کلام کا انگریزی میں ترجمہ
۱۳۔ غالب کی مختصر سوانح عمری انگریزی میں
۱۴۔ غالب پر تنقید انگریزی میں
۱۵۔ غالب کی تحریروں کا البم
۱۶۔ غالب پر ڈرامے اور فلم
۱۷۔ غالب میوزیم کا قیام
۱۸۔ اردو شاعری کے ایسے انتخابات جن کا ترجمہ ہندوستان کی تمام زبانوں اور انگریزی میں ہو سکے۔
۱۹۔ غالب کے منتخب کلام کا دنیا کی بڑی زبانوں میں ترجمہ کرانے کی اسکیم۔
۲۰۔ ملک بھر میں بڑے پیمانے پر جشن غالب منانے کے لئے ہر ریاست میں کمیٹیوں کا قیام۔

ہمیں یقین ہے کہ پروفیسر ہمایوں کبیر بھی اس اسکیم میں دل چسپی لیں گے۔ ٹیگور کی صد سالہ یادگار جس طرح عالمی پیمانے پر منائی گئی ہے اس میں سب سے بڑا حصہ پروفیسر موصوف کا ہے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین کی نگرانی اور پروفیسر ہمایوں کبیر کی گہری دلچسپی سے جشن غالب بھی قومی پیمانے پر منایا جا سکتا ہے۔ اردو کے تمام اداروں اور یونیورسٹیوں کے تمام اردو کے شعبوں کو ابھی سے اپنا پروگرام بنا لینا چاہیئے اور یہ کوشش ضرور کرنا چاہیئے کہ ہر ادارہ اپنے لئے کوئی ایک کام لے لے تاکہ تکرار نہ ہونے پائے۔ اس سلسلے میں انجمن ترقی اردو ہند جولائی میں اپنے پروگرام پر غور کرے گی۔ لیکن ایک مرکزی کمیٹی جلد بن جائے تو سارے کاموں کی تنظیم بہتر طور پر ہو سکے گی۔ ہمیں یقین ہے کہ ہماری آواز صدا بصحرا ثابت نہ ہوگی اور دہلی میں ایک مرکزی غالب کمیٹی کا جلد قیام ہو سکے گا۔

لکھتے رہے جنوں کی حکایات خوں چکاں
ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے
چھوڑی اسدؔ نہ ہم نے گدائی میں دل لگی
سائل ہوئے تو عاشق اہل کرم ہوئے

انجمن ترقی اردو لکھنؤ

انجمن ترقی اردو لکھنؤ کی مجلس عاملہ کا جلسہ دفتر انجمن جلسہ بتقدیم لائبریری گولا گنج میں زیر صدارت سید مسعود حسن رضوی ادیب منعقد ہوا۔ سابقہ کارروائی کی تصدیق کے بعد ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی جنرل سکریٹری نے یو. پی. اردو کے سرکلر اور حکومت یوپی کے اعلانات کی وضاحت کی۔ ممبر سازی اور فراہمی سرمایہ کے لئے ممبروں کو متوجہ کیا۔ مختلف تعلیمی اداروں کے ذمہ داروں سے ملنے کے لئے جلسہ نے طے کیا۔ یہ بھی طے پایا کہ ان حضرات کا ایک اجتماع ۹ جون کو بلایا جائے اور اردو ذریعہ تعلیم نیز اردو میں جوابات لکھنے کے متعلق غور کیا جائے۔ حلقہ وار جلسوں کے پروگرام کے لئے حسب ذیل حضرات پر مشتمل ایک سب کمیٹی بنائی گئی ہے۔

سید امیر حسن نورانی۔ ذہین سلوذی۔ محمد یونس خالدی۔ سید فدا حسین اور جنرل سکریٹری جلسے نے متفقہ طور پر حسب ذیل تجویز پاس کی۔

"چونکہ لکھنؤ کو اردو کا شہر تسلیم کیا گیا ہے اس لئے یہ جلسہ لکھنؤ کارپوریشن سے پرزور مطالبہ کرتا ہے کہ وہ مفاد عامہ سے متعلق تمام اطلاعات آئندہ سے اردو میں بھی شائع کرے۔ اور دفتری کاروبار میں بھی اردو کو مناسب جگہ دے۔ نیز جلسہ یہ بھی مطالبہ کرتا ہے کہ کارپوریشن کے تحت تمام اسکولوں میں اردو پڑھنے کا انتظام کرے۔" (نامہ نگار)

انجمن ترقی اردو ٹیٹا گڑھ

۱۳ مئی۔ انجمن ترقی اردو ٹیٹا گڑھ کا چوتھا سالانہ اجلاس زیر صدارت جناب غلام محمد صاحب منعقد ہوا۔ سکریٹری انجمن نے سالانہ رپورٹ پیش کی۔

پروگرام کے مطابق یوم اقبال کی صدارت پروفیسر پرویز شاہدی نے کی۔ جناب نثار احمد مجروح ڈمرانوی نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا۔ جناب احمد سعید ملیح آبادی ایڈیٹر آزاد ہند، جناب مالک لکھنوی، جناب غلام قادر خاں نائب سکریٹری انجمن ترقی اردو بنگال نے اپنے بصیرت افروز خیالات کا اظہار کیا۔

(نثار احمد مجروح ڈمرانوی۔ چیرمین یوم اقبال کمیٹی)

انجمن ترقی اردو، دیرم گام

۱۵ مئی کو انجمن ترقی اردو دیرم گام کے زیر اہتمام مسلم لائبریری کے ہال میں ایک عام جلسہ جناب پیرزادہ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ صاحب صدر کے علاوہ منشی جناب علی بھائی اور مولانا عبد القادر مخلص نے بھی جلسے کو خطاب کیا۔ باتفاق آرا طے ہوا کہ قانونی کارروائیوں کے ذریعہ ضلع لوکل بورڈ سے دستوری پرائمری اسکولوں (لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے علیحدہ علیحدہ) کا مطالبہ کیا جائے۔ توقع ہے کہ تعطیلات کے اختتام پر ماہ جون میں دونوں اسکول قائم ہو جائیں گے اور اردو تعلیم کا سلسلہ چند دہ سالوں کے بعد پھر شروع ہو سکے گا۔

۱۳ مئی سے انجمن کے زیر اہتمام اردو کا شبینہ کلاس بھی شروع ہوا ہے۔ اس سلسلے میں مولانا مخلص بلا معاوضہ خدمات انجام دے رہے ہیں۔

(ق. ا. سید جنرل سکریٹری۔ شاخ دیرم گام)

اسرار اکبرآبادی

مشورہ

بیکراں اداسی میں
درد کے تقاضوں سے
تم نے جو جلایا ہے
اک کنول سرِ مژگاں
اس کی جھلملاہٹ میں
ناچتی ہے مجبوری
اس لئے یہ بہتر ہے
مجھ کو بھول جاؤ تم
میں بھی صبر کرلوں گا

یاسر جامی

آوارگی

ابھی تک دل ہے آوارہ
مدارِ دل نہیں کوئی!
ابھی راہوں کی گردش ہے
ابھی منزل نہیں کوئی
ابھی ماحول ہے سونا
ابھی محفل نہیں کوئی
ابھی طوفاں میں ہے کشتی
ابھی ساحل نہیں کوئی

ابھی پلکیں ہیں بوجھل سی
خیال و خواب چھائے ہیں
ابھی مستی سی ہے باقی
کہ جیسے پی کے آئے ہیں
مرے نادان دل نے بھی
ہزاروں دھوکے کھائے ہیں
اور آنکھوں نے اسی غم میں
بہت آنسو بہائے ہیں
ابھی تک چوٹ ہے دل پر
ابھی گم سم ہے چارہ گر

افسر آغا لکھنوی

قطعہ

وہ رُخِ پاک بھی آئے گا نظر — ابھی وہ راہ گذر تو آئے
دل کو تسکین بھی مل جائے گی — میری آہوں میں اثر تو آئے

غزل

منشاء الرحمٰن

نازو نخوت کے زرِ پندار کے شیدائی ہیں — ہم فقط عظمتِ کردار کے شیدائی ہیں
ہم ہی وہ اہلِ جنوں ہیں جو بصد عزم و یقین — انقلابِ سحر آثار کے شیدائی ہیں
آج کی بات نہیں روزِ ازل سے ہم لوگ — حسنِ خوبانِ طرحدار کے شیدائی ہیں
لطفِ ہستی تو حقیقت میں اُٹھاتے ہیں وہی — جو غم و کلفت و آزار کے شیدائی ہیں
فن کے کچھ اور تقاضے ہیں مگر اے منشاءؔ — اہلِ فن کاکل و رخسار کے شیدائی ہیں

کرشن موہن

پیشتر بھی ملے ہیں بہت سے ہم — اس کی صورت کچھ آشنا سی ہے
آپ کے التفاتِ رنگیں میں — بے رخی بھی ذرا ذرا سی ہے
آج کل لوگ یہ سمجھتے ہیں — خود پرستی بھی خود شناسی ہے
مسکراہٹ، حسین آنکھوں کی — اور شیریں لبوں کی داسی ہے
اہلِ دولت کا اہلِ دل سے گریز — کم نگاہی ہے بے قیاسی ہے

آفتاب شمسی

عقل جب برسرِ پیکار ہوئی — زندگی مستقل آزار ہوئی
میکشو، آؤ کہ دن ڈوب گیا — چاندنی رات نمودار ہوئی
جام کھنکے غمِ دوراں بھٹکا — زندگی محوِ خمِ یار ہوئی
پار لگنے کی ہوس ہی شمسیؔ — اپنی کشتی کے لئے بار ہوئی

زہیر کنجاہی

ہوا بدلی، فضا بدلی، چمن بدلا، سماں بدلا — بہارِ نو نے آکر گلستاں کا گلستاں بدلا
[illegible] واسطے سے ہے نہ شیشہ ہے نہ پیمانہ — یہ کب کا لے رہا ہے آخرش پیرِ مغاں بدلا
یہ جب بھی گئیں برباد یاں اہلِ گلستاں کی — تو مجبوراً چمن والوں نے اپنا آشیاں بدلا
زمانے میں ہزاروں انقلاب آیا کئے لیکن — مری سوچ نہیں بدلی نہ اُن کا آستاں بدلا

محمد عرفان

ہر ادا ہو آفتِ دل اور اماں کوئی نہ ہو — اس قیامت کے زمانے میں جواں کوئی نہ ہو
مصلحت ہی کیا، نہ ہو گر سرخروئی کے عوض — عشق ہی کیا گر دل و جاں کا زیاں کوئی نہ ہو
کہکشاں ہو یا زمیں ہے [illegible] — لیکن جبیں پر نقشِ پائے کارواں کوئی نہ ہو
[illegible]
یہ مزہ ہے عاشقی [illegible] کوئی نہ ہو

مہر چند کوثر

رنج و غم کے سلسلے کو زندگی کہنا پڑا — ظلمتِ شب کو سحر کی روشنی کہنا پڑا
دوستوں کی دوستی کا جب کھلا مجھ پر بھرم — دشمنوں کی دشمنی کو دوستی کہنا پڑا
اس کو [illegible] آئے وفا — انجمن میں جس نے جو چاہا وہی کہنا پڑا
[illegible] جب دل کا سرمایہ [illegible]
آنسوؤں کو بھی متاعِ زندگی کہنا پڑا

حبیب الرحمٰن　　(گذشتہ سے پیوستہ)

خطبۂ صدارت اردو کانفرنس ضلع کریم نگر

(۵-۶ مئی ۱۹۶۲ء)

اُردو کے خدمت گذاروں کو ایک بات کا خاص طور پر لحاظ رکھنا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ اردو کی حمایت میں وہ کوئی ایسی حرکت نہ کریں جس سے کسی اور زبان کی ذرا بھی مخالفت ظاہر ہوتی ہو۔ جہاں تک ہندی کا تعلق ہے اُس کو تو ہمیں خصوصیت کے ساتھ اپنانا ہے، صرف اس لئے نہیں کہ وہ مرکزی حکومت کی سرکاری زبان بننے والی ہے بلکہ اس وجہ سے بھی کہ ہندوستان کی کوئی زبان اردو سے اس قدر قریب نہیں ہے جس قدر کہ ہندی۔ اُردو کے ادیبوں، شاعروں اور مصنفوں کی خدمت میں میری یہ گذارش ہے کہ وہ اپنی زبان کو جہاں تک ہو سکے عوام سے قریب لانے کی کوشش کریں اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ وہ آسان سے آسان زبان استعمال کریں اور ہندوستان کی دوسری زبانوں کے زیادہ سے زیادہ الفاظ کو اُردو کا جامہ پہنانے میں انھیں تامل نہ ہو۔ اُردو بولنے والے سارے دیس میں پھیلے ہوئے ہیں اور دیس کے مختلف حصوں میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں اس لئے اُردو بولنے والوں کو اپنے اپنے علاقے کی علاقائی زبان بھی سیکھنا پڑے گی۔ اُردو بولنے والے اگر ذرا سمجھ داری سے کام لیں تو ان کی زبان کا یہ پھیلاؤ اس کی آئندہ ترقی میں بہت کچھ مدد دے سکتا ہے۔ اُردو کی یہ عجیب خصوصیت ہے کہ اس کے بولنے والوں کا بھارت کی ہر زبان کے بولنے والوں سے دن رات کا ساتھ ہے۔ اس طرح فارسی اور عربی کے علاوہ کوئی ایک درجن ملکی زبانیں ایسی ہیں جن کے دروازے اُردو ادیبوں اور شاعروں کے سامنے کھلے ہوئے ہیں جن کے علمی خزانوں سے وہ اپنی زبان کو مالا مال کر سکتے ہیں۔

کسی تحریک کی کامیابی یا ناکامی کا انحصار بڑی حد تک اس طریقۂ کار پر بھی ہوتا ہے جو تحریک کو چلانے والے اختیار کرتے ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اچھے اور واجبی مقصد بھی اس وجہ سے پورے نہیں ہونے پاتے کہ جو ذرائع اُن کے حصول کے لئے اختیار کئے گئے وہ حالات کا لحاظ کرتے ہوئے ٹھیک نہ تھے۔ اُردو کے ساتھ جو ناانصافیاں ہو رہی ہیں وہ مسلم لیکن اگر ہم کالی جھنڈیوں، فلک شگاف نعروں، لمبے لمبے جلوسوں، عظیم الشان جلسوں، دھواں دھار تقریروں اور اشتعال انگیز مظاہروں سے ان ناانصافیوں کو بند کرنا چاہیں گے تو میرا یہ خیال ہے کہ موجودہ حالات میں ہم اپنا اصل مقصد حاصل نہ کر سکیں گے۔ اُردو کو اس کا واجبی حق ایسی ہنگامہ آرائیوں سے نہیں مل سکے گا۔ ہمارا کام پہلے سے زیادہ کٹھن اور ہماری منزل زیادہ دشوار گذار ہے اس لئے ضرورت ہے کہ ہم منزل تک پہنچنے کے راستے بھی اسی مناسبت سے اختیار کریں۔

اس سلسلے میں سب سے بڑی ضرورت اُردو کی تنظیم کو مضبوط بنانے کی ہے جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں تقریباً نصف صدی سے انجمن ترقی اُردو ہندوستان میں اُردو کا پرچار کر رہی ہے۔ اُردو ادب کے بیسیوں جواہر پاروں کو فنا ہونے سے بچانا، اُردو بولنے والوں میں اپنی زبان کی عظمت کا احساس پیدا کرنا، اُردو ادیبوں اور اہل قلم میں لکھنے کا شوق پیدا کرنا، ان کے احساس کمتری کو دور کرنا یہ ایسے کارنامے ہیں جن پر انجمن ترقی اُردو بجا طور پر فخر کر سکتی ہے، اور جن کی وجہ سے مولوی عبدالحق مرحوم کا نام زبان اُردو کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔

اُردو زبان پر مولوی صاحب کے احسانات کبھی بھلائے نہیں جا سکتے۔ آزادی کے بعد اس ادارے کی باگ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں اور قاضی عبدالغفار جیسی شخصیتوں کے ہاتھوں میں آئی اور ان حضرات نے انتہائی مشکل حالات میں انجمن کا کام سنبھالا اور اُردو زبان کو دشمنوں کے حملوں سے بچانے کے لئے سینہ سپر ہو گئے۔ قاضی صاحب نے بالآخر اسی لڑائی کے دوران میں ایک سپاہی کی طرح جان دی اور اب کئی سال سے یہ زبردست ذمہ داری پروفیسر آل احمد سرور کے کندھوں پر ہے جسے وہ بڑی سمجھ بوجھ اور دور اندیشی کے ساتھ سنبھالے ہوئے ہیں۔ لیکن موجودہ حالات میں اُردو کی ناؤ کو پار لگانا کسی ایک فرد یا چند افراد کے بس کا کام نہیں ہے۔ اس کے لئے تمام اُردو بولنے والوں کی اجتماعی قوت درکار ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ اس قوت کو منتشر نہ ہونے دیا جائے بلکہ اسے ایک مرکز پر لا کر اس سے زیادہ سے زیادہ کام لیا جائے۔ ملک کے مختلف حصوں میں جو افراد یا ادارے اپنے اپنے طور پر اُردو کی خدمت کر رہے ہیں وہ مرکزی انجمن سے منسلک ہو جائیں اور جہاں ابھی تک کوئی تنظیم نہیں ہے وہاں انجمن کی شاخیں قائم کی جائیں، اور اس طرح سارے ملک میں ترقی اُردو کی انجمنوں کا ایسا مضبوط نظام قائم ہو جائے کہ ملک کے صاحب اقتدار افراد اور حکومتیں اُس کی آواز پر متوجہ ہونے کے لئے مجبور ہوں۔ ایسی تنظیم کا وجود اگر ایک طرف حکومت سے گفت و شنید کرنے میں معاون ہوگا تو دوسری طرف ہمیں جو تعمیری کام کرنا ہیں اُن کی رہنمائی میں اس سے بہت بڑی مدد ملے گی۔

حضرات! ابھی کچھ دیر پہلے میں یہ عرض کر چکا ہوں کہ اُردو کی بقا اور ترقی کا انحصار سب سے زیادہ خود اُردو بولنے والوں پر ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنی اس گفتگو کو ختم کرنے سے پہلے مختصر طور پر ان کاموں کا بھی ذکر کروں جن کی ذمہ داری ہمارے کندھوں پر ہے اور جن کے بغیر اُردو کے ساتھ ہماری محبت کے دعوے اخلاص سے خالی نظر آئیں گے۔

سب سے پہلے تو اس کی ضرورت ہے کہ ہم میں سے ہر شخص جو اردو کے مسئلے کا احساس رکھتا ہے اپنی اپنی جگہ پر ایمان داری کے ساتھ یہ سوچے کہ اردو زبان کو بچانے یا آگے بڑھانے میں وہ خود اپنا فرض ادا کر رہا ہے یا نہیں۔ اگر اس کے پاس کچھ فالتو وقت موجود ہے تو کیا اس کا کچھ حصہ وہ اردو کی خدمت میں صرف کر رہا ہے۔ اگر اس کی آمدنی اپنی اور متعلقین کی واجبی ضروریات پورا کرنے کے بعد بچ سکتی ہے تو کیا اس کا کچھ حصہ وہ اردو کے اداروں کی امداد میں دے رہا ہے۔ استطاعت رکھتے ہوئے بھی وہ اردو کے اخباروں اور رسالوں اور کتابوں کے خریدنے میں کوتاہی تو نہیں کر رہا ہے۔ اپنے اور اپنے خاندان کے بچوں کو اردو پڑھانے کی طرف سے غافل تو نہیں ہے۔ یہ اور اسی قسم کے دوسرے سوال ہم اپنے آپ سے کریں اور اگر ضمیر کے کسی گوشے سے ذرا بھی ملامت کی آواز آئے تو پوری ایمان داری کے ساتھ اس کی تلافی کی کوشش کریں۔ بھائیو! میں پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اگر واقعی ہم اس نسخے پر عمل کریں تو پھر اردو اداروں کو نہ تو کارکنوں کی کمی محسوس ہو اور نہ ان کے کاموں میں روپے کی کمی کی وجہ سے کوئی رکاوٹ پیدا ہو، نہ اردو اخباروں، رسالوں اور کتابوں کے ناشروں کو نکاسی کی کمی کی شکایت ہو اور نہ بچوں کی کافی تعداد نہ ملنے کے باعث اسکولوں سے اردو کی جماعتیں برخاست ہوں۔

پرائمری تعلیم کا مسئلہ ہمارے لئے خاص طور پر اہمیت رکھتا ہے۔ تعلیم کا یہی وہ زینہ ہے جہاں بچے کو اس کی مادری زبان میں پڑھانا انتہائی ضروری ہے۔ اردو زبان کے خلاف جو سب سے زیادہ مہلک حربہ بعض مقامات پر استعمال کیا جا رہا ہے وہ یہی تحتانی جماعتوں سے اردو کو نکالنا ہے۔ اس لئے اردو کے کارکنوں کا یہ فرض ہے کہ وہ تحتانی درجے پر سب سے زیادہ نگاہ رکھیں۔ انجمن ترقی اردو کی مقامی شاخیں اپنے اپنے حلقے میں اردو بولنے والے ایسے تمام بچوں کے محلہ واری رجسٹر رکھیں جن کی عمر اسکول جانے کی ہے۔ جو بچے تعلیم نہیں پا رہے ہیں انھیں اسکول میں داخل کرائیں اور جو بجائے اردو کے کسی اور زبان میں تعلیم پا رہے ہیں انھیں اردو میں تعلیم دلانے کی صورت پیدا کریں۔ جبری تعلیم کا عمل جیسے جیسے پھیلتا جائے گا آپ اس کام کی اہمیت کو محسوس کریں گے۔

اردو سے سچا پریم رکھنے والوں کے لئے خدمت کا ایک اور وسیع میدان کھلا ہوا ہے۔ جو بدنصیب اشخاص خواہ سرپرستوں کی غفلت سے، خواہ حالات کی مجبوری سے، بچپن میں تعلیم نہیں پا سکے اور جن کے لئے اب اسکولوں میں تعلیم پانا خارج از بحث ہے، وہ خاص کر اس جمہوری دور میں آپ کی توجہ کے مستحق ہیں۔ عوام کا حق رائے دہی اور اُن کی بنیاد پر جمہوریت کا قیام بڑی حد تک بے معنی ہو جاتے ہیں۔ اگر عوام کی اکثریت جاہل و ان پڑھ رہے۔ اسی لئے حصول آزادی کے بعد تعلیم بالغان کے مسئلے نے غیر معمولی اہمیت حاصل کر لی ہے اس لئے ہم سب کا یہ شہری فرض ہے کہ اپنے اپنے حلقۂ عمل میں بسنے والے اُن پڑھ مردوں اور عورتوں کی فہرستیں تیار کریں۔ محلے کے کسی موزوں مقام پر انھیں اکٹھا کریں اور بتائیں کہ لکھنا پڑھنا نہ جاننے کے باعث وہ کیسی بڑی نعمت سے محروم ہیں۔ انھیں لکھنا پڑھنا سیکھنے پر آمادہ کریں اور مدارس شبینہ کے ذریعے ان کی تعلیم کا انتظام کریں۔ تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ اگر کوئی شخص صرف چار مہینے تک روزانہ ڈیڑھ دو گھنٹے اس غرض کے لئے وقف کر دے تو وہ آسانی سے موٹی موٹی عبارتیں پڑھنے اور لکھنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

اس کے علاوہ جگہ جگہ دار المطالعے اور چھوٹے چھوٹے کتب خانے قائم کرنے کا کام ہے جو دلچسپ بھی ہے اور مفید بھی۔ آپ غالباً جانتے ہیں کہ ہماری ریاست میں کتب خانوں کا ایک قانون نافذ ہے جس کی رو سے حکومت ہر سال محصول جائداد کے ساتھ فی روپیہ چند پائی کے حساب سے ایک لائبریری ٹیکس وصول کرتی ہے اور اس طرح جو رقم جمع ہوتی ہے وہ کتب خانوں کی امداد پر صرف کی جاتی ہے۔ اردو بولنے والے اگر اس رقم سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ وہ ہر ہر محلے میں اردو کے کتب خانے قائم کریں اور حکومت سے امداد کے طالب ہوں۔

مختصر یہ کہ اردو کے تعلق سے کرنے کے کام ایک دو نہیں بیسیوں ہیں۔ ضرورت صرف اس کی ہے کہ حامیان اردو باتوں اور مشکلات کے حدود سے آگے بڑھ کر ذرا عمل کے میدان میں قدم رکھیں، ایک دوسرے کی کوششوں میں حائل ہونے کی بجائے باہمی تعاون کو اپنا شیوہ بنائیں اور معقول شخصے کام کرتے ہوئے بھی گمنام رہنے کی ہمت پیدا کریں۔ ایک مرتبہ اپنے اعمال میں خلوص اور بے غرضی سے کام لیجئے اور پھر خدا پر بھروسہ رکھئے۔ وہ یقیناً آپ کی کوششوں کو پروان چڑھائے گا۔

دہلی یونیورسٹی میں اعزازی جلسہ

دہلی یونیورسٹی کے شعبہ اردو نے علامہ نیاز فتحپوری اور مرزا جعفر علی خاں اثر لکھنوی کے اعزاز میں جنھیں حکومت ہند کی طرف سے "پدما بھوشن" کا خطاب ملا ہے، ۲۰ اپریل کو ایک استقبالیہ جلسہ کا انتظام کیا۔ عربی کے عالم ڈاکٹر عبدالستار صدیقی جنھیں راشٹر پتی نے سند اور خلعت عطا فرمایا ہے خاص دعوت پر تشریف لائے۔ جلسے کی صدارت ڈاکٹر بی گوپال ریڈی مرکزی وزیر اطلاعات و نشریات نے فرمائی۔ انھوں نے اس موقع پر اظہار مسرت کرتے ہوئے کہا کہ ادیب اور فن کار ملک کے علم و فکر کے ترجمان ہوتے ہیں۔ ان کی تصنیفات سے ادبی اور فکری سرمایہ میں اضافہ ہوتا ہے اور ملک کا تہذیبی اور ثقافتی وقار بڑھتا ہے۔ ڈاکٹر ریڈی نے فرمایا کہ ایک زمانہ تھا جب برٹش سرکار نے ٹیگور اور اقبال کو "سر" کا خطاب دیا تھا لیکن پدما بھوشن کا خطاب "سر" سے کہیں بلند تر ہے۔ کیوں کہ "سر" ہمارے پدما شری کے برابر ہے اور پدما بھوشن کا درجہ اس سے اونچا یعنی کے۔ سی۔ آئی۔ ای کا ہے۔ اس خطاب کی سب سے زیادہ اہمیت اس وجہ سے ہے کہ یہ اپنی حکومت کا عطا کیا ہوا ہے۔ مجھے بے حد مسرت ہے کہ ہماری سرکار مدبروں اور سیاست دانوں کے علاوہ اپنے ادیبوں، شاعروں اور فن کاروں کی بھی قدر دانی کر رہی ہے۔

ڈاکٹر بی۔ گوپال ریڈی کی تقریر سے قبل شعبۂ اردو کے ریڈر ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے کہا۔ نیاز صاحب اردو کے ممتاز ترین ادیبوں میں سے ہیں۔ چالیس برس تک نگار جیسے رسالے کو زبردست کارنامہ ہے اردو کا کوئی دوسرا ادبی رسالہ اس باقاعدگی اور ادبی وقار کے ساتھ اتنی مدت تک نہیں نکلا۔ جناب اثر کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر نارنگ نے کہا کہ وہ غزل کے رمز شناس ہیں اور اس کے رکھ رکھاؤ اور فنی تقاضوں سے جتنے وہ باخبر ہیں دوسرا کوئی نہیں۔

جلسے میں قمر رئیس، جناب جگن ناتھ آزاد، جناب شبیہ حسن خاں، جناب تلوک چند محروم اور جناب گوپی ناتھ امن نے بھی اعزاز حاصل کرنے والے ادیبوں کو خراج عقیدت پیش کیا۔

جناب تلوک چند محروم نے حسب ذیل رباعی سنائی:

ہے علم و کمال و فضل نازاں جن پر | دورِ حاضر کو ہے جن پر ناز ، وہ ادا قدر
سمجھا ہے انھیں خطاب پدما بھوشن | ذات ان کی ہے شانِ ادب کا زیور

علامہ نیاز فتحپوری نے اپنی مختصر تقریر میں شعبہ اردو کا شکریہ ادا کیا۔ ان کے بعد ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے رسم الخط کے مسائل پر روشنی ڈالی اور کہا کہ جب تک کوئی صوبائی حکومت یا ادارہ رسم الخط میں تجویز کی جانے والی تبدیلیوں کی پابندی نہ کرے رسم الخط کی اصلاح کا مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔ (سکریٹری شعبہ اردو)

منوہر لال شارب کا انتقال

حیدرآباد کے مشہور اردو شاعر منوہر لال شارب کا ۱۰ مئی کی شام کو ۶ بجے انتقال ہو گیا۔ آخری رسوم میں دوست احباب، رشتہ داروں، شاعروں، ادیبوں، دانشوروں اور معزز شہریوں کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ ارتھی کا جلوس شارب کے مکان جو بیری گلی حسینی علم سے روانہ ہونے سے قبل حبیب الرحمن معتمد انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش مخدوم محی الدین اپوزیشن لیڈر قانون ساز کونسل، بیرسٹر اکبر علی خاں ایم۔ پی، ڈاکٹر راج بہادر گوڑ، عابد علی خاں ایڈیٹر سیاست اور اردو اور ہندی کے کئی شعرا نے ان کے مکان پہنچ کر پرسہ دیا۔ انجمن ترقی اردو کی جانب سے آخری رسوم میں شرکت کرنے والوں میں مشیر خدہ حیدرآباد مسٹر رام موہن ٹائیڈو اور کئی ارکان بلدیہ بھی شامل تھے۔ ایک تعزیتی جلسے میں منوہر لال شارب کی شعری خدمات کی ستائش کرتے ہوئے مقررین نے اس بات پر زور دیا کہ ان کے پسماندگان کی مالی امداد اور اعانت کی جانب فوری توجہ کی جائے۔ ڈاکٹر راج بہادر گوڑ نے اس موقع پر اپنی تقریر میں کہا کہ ہماری سوسائٹی میں ادیب اور شاعر سب سے زیادہ غریب اور نادار ہوتے ہیں۔ منوہر لال شارب کی یاد تازہ رکھنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ ان کے پسماندگان کی مالی اعانت کے لیے عملی اقدامات کیے جائیں۔ شارب کے دوستوں کا فرض ہے کہ وہ اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے آگے بڑھیں۔ منوہر لال شارب حیدرآباد کے ایک مشہور اور مقبول شاعر تھے اور تقریباً پچیس سال سے طبع آزمائی کر رہے تھے۔ ان کا مجموعہ کلام "گل و شرر" شائع ہو چکا ہے۔

عثمانیہ گریجویٹس ایسوسی ایشن کی ۲۹ ویں کانفرنس

حیدرآباد۔ ۱۹ مئی۔ انجمن طلبائے قدیم جامعہ عثمانیہ کی ۲۹ ویں سالانہ کانفرنس جولائی کے دوسرے ہفتے میں منعقد ہوگی۔ اس موقع پر کتابوں کی ایک نمائش بھی منعقد کی جائے گی جو آندھرا پردیش کے ادیبوں نے علاقائی زبانوں اور انگریزی میں آزادی کے بعد تصنیف کی ہیں۔ (بھارت نیوز)

ایرانی ثقافتی قونصل ایوان اردو میں

ڈاکٹر محمود تفضلی سفارت خانہ ایران متعینہ دہلی نے ۱۰ مئی کو ممتاز ادیبوں، شاعروں اور دیدہ نیسوں کی موجودگی میں ایوان اردو کا تفصیلی معائنہ کیا۔ ڈاکٹر تفضلی نے اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ حکومت ایران عنقریب ایک ایسی فارسی مخطوطات کی تفصیلی فہرست شائع کرنا چاہتی جو ہندوستان کے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں۔ (ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد دکن)

بمبئی میں نئی آرٹ گیلری

جنید صاحب آرٹ اور ادب سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ حال ہی میں ایک جنید گیلری "قائم کی" ہے جہاں ہندوستان کے مشہور مصوروں کی تصاویر کی نمائش اور فروخت کا بھی انتظام کیا ہے۔ ہندوستان کے بین الاقوامی شہرت رکھنے والے آرٹسٹ مسٹر ایم۔ ایف۔ حسین، مسٹر چاولا، مسٹر پاملس اور دوسرے مصوروں کی تخلیقات اس گیلری میں موجود ہیں۔ جو حضرات فن کاروں کی تصاویر خریدنا چاہیں منیجر جنید گیلری سے رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔ تصاویر فروخت ہونے پر ۲۰٪ کمیشن وضع کر کے باقی رقم مصور کو روانہ کر دی جائے گی۔ آرٹسٹ حضرات اپنی تصویریں نمائش کے لیے بھیج سکتے ہیں۔

(منیجر جنید آرٹ گیلری، گھنشیام پرنس بلڈنگ، وارڈن روڈ، بمبئی ۲۶)

الطاف احمد خیری

خطبۂ صدارت اجلاس انجمن ترقی اُردو راجستھان

(منعقدہ ۶ رمئی ۱۹۶۲ء)

گذشتہ سہ سالہ انتخاب کے موقع پر میں نے دستور ہند کی دفعات متعلق تحفظ زبان، رسم الخط اور کلچر کا ذکر کرنے کے بعد اول یہ سوال کیا تھا کہ کیا دستور میں جو لسانی اقلیتوں کے لئے تحفظات موجود ہیں ان پر واقعی عمل ہو رہا ہے اور وہ تحفظات مؤثر و کارگر ثابت ہوئے، اور پھر خود ہی اس سوال کا جواب نفی میں دیا تھا اور مفصل وجوہات دے کر میں نے دعویٰ کیا تھا کہ دستور کی دفعات غیر مفید اور غیر مؤثر ثابت ہوئیں اور یہ مزید کہا تھا کہ باوجود لسانی اقلیاتی کمشنر مقرر ہونے کے لسانی اقلیتوں کی شکایات جوں کی توں باقی ہیں۔ اس سلسلے میں میں نے حکومت ہند کے اُردو کی بابت جولائی ۱۹۵۸ء کے پریس نوٹ کا حوالہ دیا تھا جس میں خود حکومت ہند نے اعتراف کیا تھا کہ گو حکومت کی پالیسی اُردو کے بارے میں صاف رہی ہے تاہم اس شکایت کا کچھ جواز ہے کہ اس پالیسی پر ہمیشہ عمل نہیں ہوا اور پریس نوٹ میں وعدہ کیا گیا تھا کہ اس پر عمل کرایا جائے گا۔ آخر میں میں نے تجویز پیش کی تھی کہ اس امر کی تحقیقات کرائی جائے کہ جولائی ۵۸ء کے پریس نوٹ کے بعد کس کس ریاست میں اس پر عمل ہوا یا نہیں ہوا۔ اور اگر تحقیقات سے ثابت ہو کہ عمل نہیں ہوا تو عمل کرایا جائے۔ مجھے افسوس ہے کہ اس قسم کی کوئی تحقیقات نہیں کرائی گئی۔ گذشتہ تین سال میں راجستھان میں انجمن نے جو کچھ کوشش کی اور اس میں جو کچھ کامیابی یا ناکامی ہوئی اس کا حال آپ ابھی جنرل سیکرٹری صاحب کی رپورٹ میں سن چکے ہیں۔ مختصراً یہ کہ اصولاً تو ہمارے تقریباً تمام ہی مطالبات مان لئے گئے ہیں مگر جہاں تک عمل کا تعلق ہے مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مرکزی اور ریاستی حکومتوں کی اور پارلیمنٹ کی منظور شدہ اور اعلان کردہ پالیسی اور اجرا شدہ احکام پر عمل نہیں ہوا۔ کیا یہ صحیح نہیں کہ ان تمام مقامات پر اور ان تمام مدرسوں میں جہاں حکومت کی عائد کردہ شرط تعداد طلبہ کی بابت پوری ہوتی ہے وہاں ابتدائی مرحلۂ تعلیم میں یعنی درجہ اوّل سے درجہ پنجم تک تمام مضامین اُردو میں پڑھانے کا انتظام کیا گیا ہے جو یہ دعویٰ کیا جاسکے کہ ابتدائی تعلیم مادری زبان کے ذریعہ دی جاتی ہے نہ ان درجوں کے لئے تمام مضامین کی کتابیں اُردو میں تیار کرائی اور مہیا کی گئی ہیں نہ اُردو ٹیچرز کی ٹریننگ کا انتظام کیا گیا ہے۔ ثانوی مرحلۂ تعلیم میں جہاں حکومت کی عائد کردہ شرائط پوری ہوتی ہیں وہاں اُردو بحیثیت اختیاری مضمون کے پڑھائی جاتی ہے تمام مضامین کا ذریعہ تعلیم اُردو ہونا تو درکنار۔ نہ پبلک لائبریریوں اور اسکول اور کالج لائبریریوں میں معقول و مناسب تعداد میں اُردو کی کتابیں خریدی جاتی ہیں نہ سرکاری دفتروں اور عدالتوں میں اُردو کی درخواستیں لی جاتی ہیں اور نہ خاص خاص قوانین اور قواعد وغیرہ اُردو میں شائع کئے جاتے ہیں۔ ہم نے حکومت کو بار بار توجہ دلائی۔ درخواستیں دیں لسانی اقلیاتی کمشنر صاحب کو بھی بارہا لکھا مگر کوئی مفید نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

گذشتہ تین سال میں جس قدر اردو کانفرنسیں ہوئیں اور ان میں جو تقریریں ہوئیں، "ہماری زبان" میں انجمن کی ریاستی شاخوں کی جو شکایتیں وقتاً فوقتاً چھپیں اور جو خبریں اس دوران میں اخبارات میں شائع ہوئیں ان سب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو حالات راجستھان میں ہیں تقریباً وہی حالات ہندوستان کی دوسری ریاستوں میں ہیں۔

لسانی اقلیاتی کمشنر بھی مقرر ہیں اور ہر ریاست میں ایک سکریٹری لسانی اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے کام کی نگرانی کے لئے نامزد کیا گیا ہے مگر کمشنر موصوف کی کوششوں کا نتیجہ اور سکریٹری مذکور کی نگرانی کا ثمر اُردو کو تو نصیب ہوا نہیں۔

ان حالات میں کیا میرا یہ دعویٰ غلط ہے کہ دستور ہند میں مندرج تحفظات غیر مفید اور غیر مؤثر ثابت ہوئے ہیں، اور حکومت کی اعلان کردہ پالیسی پر عمل نہیں ہوا؟

اس لئے میں پھر اپنی ۱۹۵۹ء کی پیش کردہ تجویز کو دہراتا ہوں اور انجمن کے ممبران سے اور یہاں جو اُردو دوست اصحاب جمع ہیں ان سے درخواست کرتا ہوں کہ اگر آپ سب اتفاق ہو تو انجمن ترقی اُردو راجستھان اپنی مرکزی انجمن کو بھی لکھے اور خود بھی حکومت ہند سے درخواست کرے، کہ وہ ایک کمیشن مقرر کرے کہ ستمبر ۱۹۵۶ء میں وزیر داخلہ آنجہانی پنڈت گووند بلبھ پنت نے لوک سبھا کی میز پر جو یادداشت لسانی اقلیتوں کے تحفظات کی بابت رکھی تھی اور اسی کے ذریعہ سے حکومت ہند کی جو پالیسی کا اعلان کیا گیا تھا اور جولائی ۱۹۵۸ء میں حکومت ہند نے خاص طور سے اُردو کی بابت جو پریس نوٹ جاری کیا تھا اور اس کے ذریعہ اُردو کی بابت حکومت کی پالیسی کا جو اعلان کیا تھا کیا ان اعلانات پر راجستھان اور دوسری ریاستوں میں واقعی عمل ہوا؟ کیا جہاں تک اُردو زبان کا تعلق ہے اور اُردو بولنے والی لسانی اقلیت کا

وابستہ ہونے کے دستور ہند میں جو حقوق زبان و رسم الخط اور کلچر کے تحفظ کی بابت، ذریعہ تعلیم کی بابت، عرضداشتوں کی بابت، دفتری کام کی بابت دیے گئے ہیں کیا وہ سب حقوق اردو والوں کو ملے؟ اگر وہ حقوق عملاً نہیں ملے اور پالیسی پر واقعی عمل نہیں ہوا تو کیوں؟ اور اب کیا اقدام کیے جائیں؟ کیا قانون بنایا جائے کہ دستور میں درج شدہ تحفظات موثر ثابت ہوں اور اردو بولنے والی اقلیت کو اس کے جائز اور واجب حقوق ملیں؟

اس کے ساتھ ساتھ میں اردو سے محبت رکھنے والوں سے اپیل کروں گا کہ ان پر جو ذمہ داریاں ہیں وہ پوری کریں۔ مثال کے طور پر دو ایک نکات عرض کروں۔ اردو دوست ممبران پارلیمنٹ میں اور ممبران اسمبلی و کونسل اسمبلیوں اور کونسلوں میں سوالات کے ذریعہ یا تجاویز پیش کرکے مرکزی اور ریاستی حکومتوں کو توجہ دلائیں اور مطالبہ کریں کہ ستمبر ۵۰ء اور جولائی ۵۸ء کی اعلان کردہ پالیسی پر عمل کرائیں اور جہاں اس کی ضرورت ہو یا ممکن ہو تو ریاستی آفیشل لینگویج ایکٹ (سرکاری زبان کے قانون) میں مناسب ترمیم کرکے اردو کو اس کا جائز اور واجبی حق دلائیں۔ جن لوگوں کی مادری زبان اردو ہے وہ خود اپنے طریقے سے اپنے گھروں پر اپنے بچوں کو اردو پڑھانے کا انتظام کریں۔ محض حکومت پر تکیہ کئے نہ بیٹھے رہیں۔ اپنے ذی اثر اشخاص کو بھی شریک کرکے اسکول کھلوائیں کہ اردو پڑھوائیں۔ جو جو احکام ذریعہ تعلیم کی بابت، درخواستوں کی بابت، منقول احکام کی زبان یا رسم الخط کی بابت ہو چکے ہیں ان سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں۔ خود اپنے آپ اردو اخبار، رسالے اور کتابیں خریدیں اور اردو مصنفوں اور صحافیوں اور اخبارات کی حوصلہ افزائی کریں۔

تلگو اردو اکیڈیمی کا جلسہ

حیدرآباد ۲۰ جنوری کو تلگو اردو اکیڈیمی برائے سائنس و تاریخ کی اشاعتی سب کمیٹی کا اجلاس اکیڈیمی کے دفتر میں پروفیسر ایچ [illegible] کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اکیڈیمی نے سال حال کے لیے تلگو اور اردو میں [illegible] کتابیں شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ تلگو میں ایک کتاب سماجی علوم پر اور دوسری کتاب راکٹ اور خلا کے عنوان پر شائع کی جا رہی ہے۔ اردو میں شری کالیشور راؤ کی کتاب "تاریخ مصر" اور شری [illegible] کی کتاب "شہر حیدرآباد" کی اشاعت کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ اکیڈیمی کی جانب سے [illegible] کتابیں تلگو میں اور [illegible] اردو میں شائع کی گئی ہیں۔

شاہنامہ فردوسی کی دوسری جلد ماسکو سے شائع ہو گئی

ماسکو میں مشرقی ادب کے اشاعت گھر سے شاہنامہ فردوسی کی دوسری جلد شائع ہوئی ہے۔ شاہنامہ کی یہ اشاعت ۹ جلدوں میں مکمل ہوگی۔ اس ایڈیشن میں متن کے علاوہ حاشیے بھی ہیں۔

سوویت یونین کی اکیڈیمی کے تحت کام کرنے والے ایشیائی قوموں کے انسٹی ٹیوٹ کے لوگوں نے اس ایڈیشن کا نسخہ تیار کرتے ہیں قدیم ترین مسودوں سے مدد لی ہے جن میں سب سے پرانا نسخہ ۱۲۷۶ء کا ہے۔

مراسلات

"ادب اور صحافت"

جامعہ اُردو علی گڑھ کے نصاب ادیب میں داخل "ادب اور صحافت" میں اُردو صحافت کی تاریخ و ترقی کے عنوان سے جو مضمون شامل ہے اس کے تیسرے دور میں بہت سے اخبارات اور ایڈیٹروں کے ذکر کو نہ جانے کیوں نظرانداز کر دیا گیا ہے۔ مثلاً مدینہ بجنور کے بارے میں لکھا ہے کہ "شروع میں اس کے ایڈیٹر مولانا نصر اللہ خاں عزیز اور بعد میں حامد الانصاری غازی تھے۔" یہ بات اس طرح پر ہے کہ جب یہ اخبار ۱۹۱۲ء میں جاری ہوا تو اس کے ایڈیٹر حافظ نورالحسن ذہین تھے، اس کے بعد قاضی بدر جلالی۔ نور الرحمٰن تجمہ ایوبی۔ ماہر القادری۔ حافظ علی بہادر خاں، مولانا نصر اللہ خاں عزیز، مولانا حامد الانصاری غازی، مولانا ابو سعید بزمی، بشیر حسین فکر وغیرہ اس کے ایڈیٹر رہے ہیں اور آج کل مسٹر سعید اختر ایڈیٹر ہیں۔ ان حضرات کے ذکر کے بغیر مدینہ کا ذکر نامکمل رہتا ہے۔

جمعیۃ علماء ہند کے اخبار الجمعیۃ کے ایڈیٹر ابتداءً مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، ان کے بعد مسٹر بلال احمد زبیری تھے، اور اب مولانا محمد عثمان فارقلیط ہیں۔

بھوپال سے الحمراء کی تاریخ اشاعت ۱۹۳۶ء لکھی گئی ہے حالانکہ یہ پرچہ ۱۹۲۶ء میں نکلا تھا۔ اس سے قبل بھوپال سے ۱۹۲۳ء سے مسٹر محمود الحسن صدیقی کی ادارت میں ہفت روزہ ندیم جاری ہوا جو ایک سال بعد روزنامہ ہو گیا اور اب تک جاری ہے۔ اس کے ایڈیٹروں میں محمود الحسن صدیقی، حکیم قمر الحسن، مسٹر رشدی، مسٹر اشتیاق عارف، مسٹر محمد مسلم اور مسٹر محمود الحسینی ہیں۔

بھوپال سے علامہ قوی صدیقی کی نگرانی میں ۱۹۴۳ء میں سہ روزہ تعمیر جاری ہوا۔ اس کے علاوہ بھوپال کے حسب ذیل رسائل اور اخبارات بھی قابل ذکر ہیں:۔

رسالہ بصائر ایڈیٹر شریف فکری ۱۹۳۵ء

رسالہ افکار ایڈیٹر صہبا لکھنوی، صدر رشدی۔ ۱۹۴۵ء

رسالہ جادہ ایڈیٹر کوثر چاندپوری۔ ۱۹۴۵ء

ہفت روزہ رہنما ایڈیٹر ابو سعید ۱۹۳۶ء

" صبح وطن " شاکر علی خاں ۱۹۳۳ء

" آواز " کبیر قریشی ۱۹۳۳ء

" جمہور " الطاف یزدانی ۱۹۳۱ء

" ترجمان " احمد علی خاں، کامل جوہر قریشی ۴۵ء

" رہبر وطن۔ پہلے ہفت روزہ اور پھر روزنامہ ہو گیا تھا
ایڈیٹر ڈاکٹر دوست محمد خاں ۱۹۳۵ء

ان کے علاوہ نگار، زرنگار، ظل السلطان وغیرہ پرچے بھی بھوپال سے نکلے۔

حیدرآباد جو اُردو کا خاص مرکز رہا ہے اور جہاں سے اُردو کے بہت سے اخبارات و رسائل نکلتے رہے ہیں اس کا بھی کوئی ذکر اس مضمون میں نہیں ہے۔ حالانکہ پیام دکن (قاضی عبدالغفار) رہبر دکن وغیرہ بہت مشہور اخبارات ہیں۔

کوئٹہ سے خان عبدالصمد خاں نے اخبار استقلال جاری کیا تھا۔

لاہور کے اخبارات میں احسان، شہباز، نوائے وقت زمزم، کوثر، حریت، نیرنگ وغیرہ کا بھی ذکر نہیں ہے حالانکہ یہ اخبارات بھی معیاری تھے اور اردو کے بہترین صحافی ان کے مدیر رہ چکے ہیں۔

لکھنؤ کا ہفت روزہ ہندوستان مدیر حیات اللہ انصاری اور روزنامہ وکیل مدیر بدر جلالی کا بھی ذکر نہیں ہے۔

دہلی کے مشہور اخبارات روزنامہ ملت ایڈیٹر محمد جعفری، روزنامہ انصاری ایڈیٹر بلال احمد زبیری، ہفت روزہ اجتماع ایڈیٹر بلال احمد زبیری۔ روزنامہ وطن، انجام، جنگ، الامان، وحدت، مسلم گزٹ، آزاد، منشور۔ رسائل میں ندوۃ المصنفین کا برہان ۱۹۳۹ء۔ محشر خیال۔ نظام المشائخ، پیشوا، منادی وغیرہ بہت سے روزنامے اور ہفت روزہ اور ماہنامے بھی نظرانداز کر دیئے گئے ہیں۔ نگار لکھنؤ، معارف اعظم گڑھ۔ زمانہ کانپور، الناظر لکھنؤ، ادیب الہ آباد وغیرہ کا بھی ذکر نہیں ہے۔

اسی طرح بجنور، کانپور، الہ آباد، مراد آباد، جھانسی، گورکھپور وغیرہ کے اخبارات کا بھی ذکر نہیں ہے۔

مندرجہ بالا چند باتیں جو مجھے یاد ہیں تحریر کی جا رہی ہیں اگر تحقیق کی جائے تو ابھی اور بھی بہت سے اخبارات و رسائل کا پتہ چل سکے گا۔ اور جب تک اُردو صحافت اور صحافیوں کے بارے میں مستند معلومات نہ فراہم ہوں، ناقص اور نامکمل کتاب کا نصاب میں داخل کرنا نامناسب بات ہے۔

(شرقی عثمانی بھوپال)

یہ شعر

مورخہ ۲۲ر اپریل ۱۹۶۲ء کے شمارہ میں حبیب احمد صاحب سیانہ نے درج ذیل شعر کے متعلق دریافت کیا تھا کہ یہ شعر کس کا ہے؟ اطلاعاً عرض ہے کہ یہ شعر علامہ خضر برنی کا ہے۔ ؎

جب میں بیٹھا گریباں کو سینے
ہاتھ پکڑا ہے دیوانگی نے

(عبدالحمید ترکمان گیٹ دہلی)

ضروری اعلان: براہ مہربانی خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے۔ — منیجر

ڈاکٹر وحید جیند

تبصرے

حدیثِ اقبال

مصنف: طیب عثمانی ندوی

حجم ۱۶۰ صفحات، قیمت تین روپے

ناشر: ادارہ کتاب، گیا (بہار)

اقبال پر مختلف زاویوں اور پہلوؤں سے بہت سی کتابیں لکھی گئی اور لکھی جا رہی ہیں۔ طیب عثمانی ندوی کی تصنیف حدیثِ اقبال بھی اقبالیات کے سلسلے کی ایک کڑی ہے جس میں مصنف نے یہ کوشش کی ہے کہ اقبال کے کلام اور پیغام کو خالص اسلامی تعلیمات کی روشنی میں سمجھا اور سمجھایا جائے۔

اقبال کی عظمت دراصل ان کی شاعرانہ بلندی کی وجہ سے ہے اقبال پہلے شاعر تھے اور بعد میں کچھ اور۔ اس میں شک نہیں کہ ہمیں اقبال کے کلام میں ایک نظامِ حیات کے عناصر بکھرے ہوئے مل جاتے ہیں لیکن اس لیے ہم اقبال کا مطالعہ محض ایک فلسفی یا مصلح کی حیثیت سے نہیں کیا جا سکتا۔ اقبال کے فلسفہ اور پیغام کی اہمیت بھی ان کے شاعرانہ مقام ہی کی وجہ سے ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اقبال کا مطالعہ کرتے ہوئے اقبال کی ہمہ گیر شخصیت کے تمام پہلوؤں کو سامنے رکھا جائے جس طرح آج دانتے یا ملٹن کا مطالعہ اس لیے نہیں کیا جاتا کہ ان کی شاعری سے ہم عیسائیت کو سمجھ سکتے ہیں بلکہ ان کا مطالعہ ان کی شاعری کی عظمت کی وجہ سے کیا جاتا ہے اسی طرح اقبال کا مطالعہ بھی اس لیے کیا جاتا ہے کہ ان کی شاعری میں بڑی شاعری کے عناصر پائے جاتے ہیں اقبال کی فکر اور شاعری میں ہمیں مذہبیات کے علاوہ دوسرے عناصر بھی ملتے ہیں، اگر انھیں نظر انداز کر دیا جائے تو اقبال کی شخصیت کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔ طیب عثمانی صاحب کی یہ کتاب اور اہم ہو جاتی اگر وہ ان دوسرے پہلوؤں کا بھی احاطہ کر لیتے کیوں کہ ایک اقبال دوست و سخن فہم کی حیثیت سے ہم اقبال کو دنیا کے بڑے شاعروں کی صف میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کے پیغام اور فن کی ہمہ گیری کو محدود کرنا نہیں چاہتے۔ اگر اقبال کے کلام میں کوئی نقاد یا مفسر ہندوستانیت، ترقی پسندی اور انسان دوستی کے عناصر دریافت کرتا ہے تو کسی طرح بھی اس نقطۂ نظر کو اقبال کے ساتھ زیادتی نہیں کہا جا سکتا۔ اقبال کا مطالعہ ایک شاعر کی حیثیت سے کرنا چاہیے فلسفی کی حیثیت سے نہیں۔ کیوں کہ اقبال کے فلسفے میں اسلامی نظریات کے ساتھ ساتھ غیر اسلامی فلسفیوں کے افکار کا پرتو بھی ہے اور اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ پھر اقبال صحیح معنوں میں بھی فلسفی نہیں ہیں۔

حدیثِ اقبال طیب عثمانی صاحب کے لیے حدیثِ دلبری کا درجہ رکھتی ہے لیکن اگر یہ حدیثِ دلبری حدیثِ دیگراں بھی بن جائے تو اقبال کے کلام اور پیغام کی مقصدیت کھٹنے کی بجائے بڑھ ہی جائے گی اور اسی لحاظ سے تمام دنیا کے سخن فہم دوستوں سے اقبال کی شاعری کے قائل ہیں۔

حدیثِ اقبال کے دو مضامین "اقبال کی شخصیت" "تخلیقی عناصر"

اور "انسانِ کامل اقبال کی نگاہ میں" مولانا ابوالحسن علی ندوی کے دو عربی مقالوں کا اردو عکس ہیں اور ان کا زاویۂ نظر بھی وہی ہے جو مصنف نے خود اختیار کیا ہے۔

کشکولِ باطن

مصنف: مولانا عبدالباطن جونپوری

قیمت: ایک روپیہ پانچ آنے

ناشر: مکتبہ خانہ انجمن ترقی اردو۔ جامع مسجد دہلی

یہ کتاب جناب مولانا عبدالباطن صاحب جونپوری کی اُن یادداشتوں کا گلدستہ ہے جو انھوں نے مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہوئے اپنی رہبری کے لیے یکجا کی تھیں اور اس گلدستہ کا پہلا حصہ انھوں نے اس خیال سے شائع کر دیا ہے کہ ان دینی اور روحانی نکات سے دوسرے اہلِ دل بھی فائدہ اٹھا سکیں۔ فقہ، شریعت، اخلاق اور تصوف کے اکثر مسائل اس کتاب میں مل جائیں گے۔

ثریٰ و ثریا

مصنف: نواز جعفری

قیمت: چار روپے

ناشر: ادارۂ ادب و دانش بمبئی۔

نواز جعفری اُن شاعروں میں سے ہیں جو شہرت اور نام آوری سے بے نیاز ہو کر شعر کہتے ہیں اور محض اپنے ذوق کی تسکین کے لیے مجموعہ شائع کرتے ہیں۔ ایسے مجموعوں کا مطالعہ کرتے ہوئے عام ادبی معیاروں سے قطع نظر شعر کے خلوص اور دلکشی کی داد دینی چاہیے۔ نواز جعفری نے حضرت آرزو لکھنوی سے اپنے کلام پر اصلاح لی ہے جو لکھنؤ اسکول کے شاید واحد غزل گو ہیں۔ اس لحاظ سے اگر ہمیں نواز کے کلام میں قدیم رنگِ سخن نظر آئے تو حیرت کی بات نہیں۔ پیشہ ور شاعر نہ ہوتے ہوئے بھی انھوں نے زبان و بیان کی نزاکتوں کا خیال رکھا ہے۔ نظموں میں ایک طویل نظم فغانِ اردو ہے جسے پڑھتے ہوئے بعض جگہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے زبان کی طرف سے غفلت برتی ہے۔ مثلاً ایک بند میں انھوں نے "میں ہی" کو "ہمیں" کہا اور اس وزن میں باندھتے ہوئے "استعداد" کو بھی "بنا دیا" ہے۔ ثریٰ و ثریا تقریباً دو سو صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور اس میں غزلیں، نظمیں اور قطعات شامل ہیں۔ صوری لحاظ سے بھی کتاب اچھی چھپی ہے۔

نوائے ظہیر

مصنف: سید ظہیر جعفری   قیمت: ایک روپیہ

ناشر: مرکزِ ادب، بدھوارہ، بھوپال

۸۰ صفحہ کا یہ مجلد مجموعہ سید ظہیر جعفری کا پہلا شعری مجموعہ ہے جس میں کچھ احبابِ ذوق نے اپنی رائیں درج کی ہیں اور ظہیر جعفری صاحب نے خود اپنے بارے میں بھی دیباچہ لکھا ہے۔ ظہیر جعفری کے زیرِ نظر کلام کا بیشتر حصہ منقبت پر مشتمل ہے اور اکثر غزلوں میں بھی حضرت علیؓ سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ ظہیر جعفری داغ جانشین کے شاگرد رہے ہیں اس وجہ سے ان کا کلام زبان اور فن کے اسقام سے پاک ہے۔ ظہیر جعفری صاحب نے اس مختصر سے مجموعہ میں بطور خلوص و عقیدت اپنے والد صاحب قبلہ الحاج میر سید جعفر حسین صاحب جعفر جعفری مرحوم کے کلام کے لیے بھی گنجائش نکالی ہے جو یقیناً قابلِ تحسین ہے۔

پبلشر خلیل حسین ... نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن سے شائع کیا